دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۲۵۴ تا ۲۵۷

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾﴾

تقریباً دو رکوعوں پر مشتمل طالوت اور جالوت کی جنگ کے واقعات ہم پڑھ چکے ہیں اور اب گویا غزوۂ بدر کے لیے ذہنی اور نفسیاتی تیاری ہو رہی ہے۔ غزوات کے لیے جہاں سرفروشی کی ضرورت ہے وہاں انفاقِ مال بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ اب یہاں بڑے زوردار انداز میں انفاقِ مال کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' سورۃ البقرۃ کے نصف آخر میں چار مضامین تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ یعنی انفاقِ مال' قتال' عبادات اور معاملات۔ یہ گویا چار ڈوریاں ہیں جو ان بائیس رکوعوں کے اندر تانے بانے کی طرح گتھی ہوئی ہیں۔

آیت ۲۵۴ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! خرچ کرو اُس میں سے جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے

کہ وہ دن آ دھمکے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی' نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی شفاعت مفید ہوگی۔''

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴﴾ ''اور جو انکار کرنے والے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔''

یہاں کافر سے مراد اصطلاحی کافر نہیں' بلکہ معنوی کافر ہیں' یعنی اللہ کے حکم کا انکار کرنے والے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس حکم انفاق کی تعمیل نہیں کرتا' دیکھتا ہے کہ دین مغلوب ہے اور اس کو غالب کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے' اس کے کچھ تقاضے ہیں' اس کی مالی ضرورتیں ہیں اور اللہ نے اسے مقدرت دی ہے کہ اس میں خرچ کر سکتا ہے لیکن نہیں کرتا' وہ ہے اصل کافر۔

اس کے بعد اب وہ آیت آ رہی ہے جو از روئے فرمانِ نبوی ﷺ قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے' یعنی ''آیۃ الکرسی''۔ اس کا نام بھی معروف ہے۔ میں نے آپ کو سورۃ البقرۃ میں آنے والے حکمت کے بڑے بڑے موتی اور بڑے بڑے پھول گنوائے ہیں' مثلاً آیۃ الآیات' آیۃ البر' آیۃ الاختلاف' اور اب یہ آیۃ الکرسی ہے جو توحید کے عظیم ترین خزانوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تمام آیاتِ قرآنی کی سردار قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ' وَفِيْهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ' هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ)) (۱)

''ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور یقیناً قرآن حکیم کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے' اس میں ایک آیت ہے جو آیاتِ قرآنی کی سردار ہے' یہ آیۃ الکرسی ہے۔''

جس طرح آیۃ البر اور سورۃ العصر میں ایک نسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور نجات کی ساری کی ساری شرائط ایک چھوٹی سی سورۃ میں جمع کر دیں: ﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ لیکن اس کی تفصیل ایک آیت میں بیان ہوئی ہے اور وہ آیۃ البر ہے۔ چنانچہ ہم نے مطالعۂ قرآن حکیم کا جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے اُس میں پہلا درس سورۃ العصر کا ہے اور دوسرا آیۃ البر کا ہے۔ یہی نسبت آیۃ الکرسی اور سورۃ الاخلاص میں ہے۔ سورۃ العصر ایک مختصر سی سورت ہے جبکہ آیۃ البر ایک طویل آیت ہے۔ اسی طرح سورۃ الاخلاص چار آیات پر مشتمل ایک چھوٹی سی سورت ہے اور یہ آیۃ الکرسی ایک طویل آیت ہے۔ سورۃ الاخلاص توحید کا عظیم ترین خزانہ ہے اور توحید کے موضوع پر قرآن حکیم کی جامع ترین سورت ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ثلثِ قرآن قرار دیا ہے' جبکہ توحید اور خاص طور پر توحید فی الصفات کے موضوع پر قرآن کریم کی عظیم ترین آیت یہ آیۃ الکرسی ہے۔

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی فضل سورۃ البقرۃ و آیۃ الکرسی۔

آیت ۲۵۵ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ ''اللہ وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں''۔

﴿اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ﴾ ''وہ زندہ ہے' سب کا قائم رکھنے والا ہے۔''

وہ ازخود اور بالخود زندہ ہے۔ اس کی زندگی مستعار نہیں ہے۔ اس کی زندگی ہماری زندگی کی مانند نہیں ہے' جس کے بارے میں بہادر شاہ ظفر نے کہا تھا۔

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں!

اللہ تعالیٰ کی زندگی ''حیاتِ مستعار'' نہیں ہے' وہ کسی کی دی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی ضعف' کوئی کمزوری اور کوئی احتیاج نہیں ہے۔ وہ خود اپنی جگہ زندہ و جاوید ہستی ہے اور باقی ہر شے کا وجود اس کے حکم سے قائم ہے۔ وہ ''اَلْقَیُّوْمُ'' ہے۔ اُس کے اِذن کے بغیر کوئی شے قائم نہیں ہے۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کے لیے دو الفاظ ''اَلْاَحَدُ'' اور ''اَلصَّمَدُ'' آئے ہیں۔ وہ اپنی جگہ ''اَلْاَحَدُ'' ہے لیکن باقی پوری کائنات کے لیے ''اَلصَّمَدُ'' ہے۔ اسی طرح وہ ازخود ''اَلْحَیُّ'' ہے اور باقی پوری کائنات کے لیے ''اَلْقَیُّوْمُ'' ہے۔

﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ﴾ ''نہ اس پر اونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔''

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ﴾ ''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔''

ہر شے کی ملکیت تامہ اور ملکیت حقیقی اُسی کی ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ﴾ ''کون ہے وہ جو شفاعت کر سکے اس کے پاس کسی کی مگر اس کی اجازت سے!''

سورۃ البقرۃ میں قبل ازیں تین مرتبہ قیامت کے روز کسی شفاعت کا دوٹوک انداز میں انکار (categorical denial) کیا گیا ہے کہ کوئی شفاعت نہیں! یہاں بھی بہت ہی جلالی انداز اختیار کیا گیا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ﴾ یعنی کس کی یہ حیثیت ہے' کس کا یہ مقام ہے' کس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی حیثیت کی بنیاد پر اللہ کے حضور کسی کی شفاعت کر سکے؟ ﴿اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ﴾ ہاں' جس کے لیے اللہ اجازت دے دے۔ یہاں پہلی مرتبہ استثناء کے ساتھ شفاعت کا ذکر آیا ہے' ورنہ سورۃ البقرۃ کے چھٹے رکوع کی دوسری آیت میں ہم الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ (اُس روز) کسی کی طرف سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گی''۔ اسی طرح پندرہویں رکوع کی دوسری آیت میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ اُس کو کسی کی شفاعت ہی فائدہ دے گی''۔ اور اب اس رکوع کی پہلی آیت میں آ چکا ہے: ﴿وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ کوئی شفاعت مفید ہوگی''۔ لیکن یہاں ایک استثناء بیان کیا جا رہا ہے کہ جس کو اللہ کی طرف سے اِذنِ شفاعت حاصل ہوگا وہ اُس کے حق میں شفاعت کر سکے گا جس کے

لیے اِذن ہوگا۔ یہ ذرا باریک مسئلہ ہے کہ شفاعت حقہ کیا ہے اور شفاعت باطلہ کیا ہے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران اس پر تفصیل کے ساتھ بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس پر میں اپنے تفصیلی درس ریکارڈ کرا چکا ہوں ☆۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔''

عام طور پر دنیا میں ہم کسی کی سفارش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بھئی میں اس شخص کو بہتر جانتا ہوں' اصل میں یہ جیسا کچھ نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے' اس کے بارے میں جو معلومات آپ تک پہنچی ہیں وہ مبنی بر حقیقت نہیں ہیں' اصل حقائق کچھ اور ہیں' وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ بات اللہ کے سامنے کون کہہ سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ ''اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اللہ کے علم میں سے کسی شے کا بھی سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

باقی ہر ایک کے پاس جو علم ہے وہ اللہ کا دیا ہوا' عطائی علم ہے۔ بڑے سے بڑے ولی' بڑے سے بڑے رسول اور بڑے سے بڑے فرشتے کا علم بھی محدود ہے۔ فرشتوں کا قول ﴿لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ ہم چوتھے رکوع میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔''

یہاں کرسی کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا اقتدار' اس کی قدرت اور اس کا اختیار (Authority) پوری کائنات کے اوپر حاوی ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی علامت کے طور پر واقعتاً کوئی مجسم شے بھی ہو جس کو ہم کرسی کہہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش اور کرسی کے بارے میں یہ دونوں باتیں ذہن میں رکھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی کوئی مجسم حقیقت ہو جو ہمارے ذہن اور تخیل سے ماوراء ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے استعارہ مراد ہو کہ اس کا اختیار اور اقتدار آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے۔

﴿وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا﴾ ''اور اس پر گراں نہیں گزرتی ان دونوں کی حفاظت۔''

آسمانوں اور زمین کی حفاظت اور ان کا تھامنا اُس پر ذرا بھی گراں نہیں اور اس سے اس پر کوئی تکان طاری نہیں ہوتی۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ ''اور وہ بلند و بالا (اور) بڑی عظمت والا ہے۔''

☆ محترم ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ نے قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ۲۳/مارچ ۱۹۹۷ء کو آیۃ الکرسی کے درس کے حوالے سے مسئلہ شفاعت پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی۔ یہ درس ترتیب وتسوید کے بعد مئی ۲۰۰۲ء کے میثاق میں شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

یہ آیۃ الکرسی ہے جو تمام آیاتِ قرآنی کی سردار اور توحید الٰہی کا ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس کے بعد آنے والی دو آیات بھی حکمت اور فلسفۂ دین کے اعتبار سے بڑی عظیم آیات ہیں۔

آیت ۲۵۶ ﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ ﴾ ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔''

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام میں کسی فرد کو جبراً مسلمان بنانا حرام ہے۔ لیکن اس آیت کا یہ مطلب نکال لینا کہ نظامِ باطل کو ختم کرنے کے لیے بھی کوئی طاقت استعمال نہیں ہو سکتی' پرلے درجے کی حماقت ہے۔ نظامِ باطل ظلم پر مبنی ہے اور یہ لوگوں کا استحصال کر رہا ہے۔ یہ اللہ اور بندوں کے درمیان حجاب اور آڑ بن گیا ہے۔ لہٰذا نظامِ باطل کو طاقت کے ساتھ ختم کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ اگر طاقت موجود نہیں ہے تو طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے' لیکن جس مسلمان کا دل نظامِ باطل کو ختم کرنے کی آرزو اور ارادے سے خالی ہے اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔ طاقت اور جبر نظامِ باطل کو ختم کرنے پر صرف کیا جائے گا' کسی فرد کو مجبوراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔ یہ ہے اصل میں اس آیت کا مفہوم۔

﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ ''ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔''

جتنی بھی کجیاں ہیں' غلط راستے ہیں' شیطانی پگڈنڈیاں ہیں صراطِ مستقیم کو ان سے بالکل مبرہن کر دیا گیا ہے۔

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ ''تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرے''

دیکھئے' اللہ پر ایمان لانے سے پہلے طاغوت کا انکار ضروری ہے۔ جیسے کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' میں پہلے ہر الٰہ کی نفی ہے اور پھر اللہ کا اثبات ہے۔ طاغوت طغٰی سے ہے' یعنی سرکش۔ تو جس نے اپنی حاکمیت کا اعلان کیا وہ طاغوت ہے' جس نے غیر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا وہ بھی طاغوت ہے اور غیر اللہ کی حاکمیت کے تحت بننے والے سارے ادارے طاغوت ہیں' خواہ وہ کتنے ہی خوشنما ادارے ہوں۔ ''عدلیہ'' کے نام سے ایک ادارہ اگر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کر رہا' کچھ اور لوگوں کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کر رہا ہے تو وہ طاغوت ہے۔ ''مقننہ'' کا ادارہ اگر اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق قانون سازی نہیں کر رہا تو وہ بھی طاغوت ہے۔ جو کوئی بھی اللہ کے حدودِ بندگی سے تجاوز کرتا ہے وہ طاغوت ہے۔ دریا جب اپنی حدوں سے باہر نکلتا ہے تو یہ طغیانی ہے: ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے!

طغٰی اور بغٰی دونوں بڑے قریب کے الفاظ ہیں' جن کا مفہوم طغیانی اور بغاوت ہے۔ فرمایا کہ ''جو کوئی کفر کرے طاغوت کے ساتھ''۔

﴿وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ﴾ ''اور پھر اللہ پر ایمان لائے''

طاغوت سے دوستی اور اللہ پر ایمان دونوں چیزیں یکجا نہیں ہوسکتیں۔ اللہ کے دشمنوں سے بھی یارانہ ہو اور اللہ کے ساتھ وفاداری کا دعویٰ بھی ہو یہی تو منافقت ہے۔ جبکہ اسلام تو ﴿حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ کے مصداق کامل یکسوئی کے ساتھ اطاعت شعاری کا مطالبہ کرتا ہے۔

﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ ''تو اُس نے بہت مضبوط حلقہ تھام لیا۔''

جس شخص نے یہ کام کرلیا کہ طاغوت کی نفی کی اور اللہ پر ایمان لایا اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا۔ یوں سمجھئے اگر کوئی شخص سمندری جہاز کے عرشے سے سمندر میں گر جائے' اسے تیرنا بھی نہ آتا ہو اور کسی طرح ہاتھ پیر مار کر وہ جہاز کے کسی کنڈے کو تھام لے تو اب وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی اسی سے وابستہ ہے' اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ وہ کنڈا اگر کمزور ہے تو اس کا سہارا نہیں بن سکے گا اور اس کے وزن سے ہی اکھڑ جائے گا یا ٹوٹ جائے گا' لیکن اگر وہ کنڈا مضبوط ہے تو وہ اس کی زندگی کا ضامن بن جائے گا۔ یہاں فرمایا کہ طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے والے شخص نے بہت مضبوط کنڈے پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔

﴿لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ ''جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔''

کبھی علیحدہ ہونے والا نہیں ہے۔ یہ بہت مضبوط سہارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک خطبہ میں یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں: ((وَاَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى)) (۱) یعنی تمام کنڈوں میں سب سے مضبوط کنڈا تقویٰ کا کنڈا ہے۔ لہٰذا اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اللہ ولی ہے اہل ایمان کا''

ایمان درحقیقت اللہ اور بندے کے درمیان ایک دوستی کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ یہ ولایتِ باہمی یعنی دو طرفہ دوستی ہے۔ ایک طرف مطلوب یہ ہے کہ بندہ اللہ کا ولی بن جائے۔ ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝﴾ (یونس) ''یاد رکھو اللہ کے دوستوں کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا''۔ دوسری طرف اللہ بھی اہل ایمان کا ولی ہے' یعنی دوست ہے' پشت پناہ ہے' مددگار ہے' کارساز ہے۔

﴿يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ''وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔''

(۱) سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانی' ج۹ ۲۰۵' عن زيد بن خالد الجهنی۔

آپ نوٹ کریں گے کہ قرآن میں ''نُور'' ہمیشہ واحد آتا ہے۔ ''اَنوار'' کا لفظ قرآن میں نہیں آیا' اس لیے کہ نور ایک حقیقت واحدہ ہے۔ لیکن ''ظُلُمٰت'' ہمیشہ جمع میں آتا ہے' اس لیے کہ تاریکی کے shades مختلف ہیں۔ ایک بہت گہری تاریکی ہے' ایک ذرا اُس سے کم ہے' پھر اُس سے کمتر ہے۔ کفر' شرک' الحاد' مادہ پرستی' لاادریت (Agnosticism) وغیرہ مختلف قسم کی تاریکیاں ہیں۔ تو جتنے بھی غلط فلسفے ہیں' جتنے بھی غلط نظریات ہیں' جتنی بھی عمل کی غلط راہیں ہیں' ان سب کے اندھیاروں سے نکال کر اللہ اہلِ ایمان کو ایمان کی روشنی کے اندر لاتا رہتا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ﴾ ''اور (ان کے برعکس) جنہوں نے کفر کیا اُن کے اولیاء (پشت پناہ' ساتھی اور مددگار) طاغوت ہیں۔''

﴿يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ ''وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں''۔

اگر کہیں نور کی تھوڑی بہت رمق انہیں ملی بھی تھی تو اس سے انہیں محروم کر کے انہیں تاریکیوں کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں آگ والے' یہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔'' اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ' اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ آمین یا ربّ العالمین!

اس کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت عزیر علیہما السلام کی زندگی کے کچھ واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔

آیات ۲۵۸ تا ۲۶۰

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى

الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

آیت ۲۵۸ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ﴾ ''کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حجت بازی کی تھی ابراہیمؑ سے اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی ہوئی تھی۔''

یہ بابل (عراق) کا بادشاہ نمرود تھا۔ یہ ذہن میں رکھیے کہ نمرود اصل میں لقب تھا' کسی کا نام نہیں تھا۔ جیسے فرعون (ج فراعنہ) مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا اسی طرح نمرود (ج نمارده) بابل (عراق) کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ''اُر'' میں ہوئی تھی جو بابل (Babylonia) کا ایک شہر تھا اور وہاں نمرود کی بادشاہت تھی۔ جیسے فرعون نے مصر میں اپنی بادشاہت اور اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا اسی طرح کا دعویٰ نمرود کا بھی تھا۔ فرعون اور نمرود کا خدائی کا دعویٰ درحقیقت سیاسی بادشاہت اور اقتدار کا دعویٰ تھا کہ اختیارِ مطلق ہمارے ہاتھ میں ہے' ہم جس چیز کو چاہیں غلط قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں صحیح قرار دے دیں۔ یہی اصل میں خدائی اختیار ہے جو انہوں نے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ کا حق ہے' کسی شے کو حلال کرنے یا کسی شے کو حرام کرنے کا اختیارِ واحد اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس شخص نے بھی قانون سازی کا یہ اختیار اللہ کے قانون سے آزاد ہو کر اپنے ہاتھ میں لے لیا وہی طاغوت ہے' وہی شیطان ہے' وہی نمرود ہے' وہی فرعون ہے۔ ورنہ فرعون اور نمرود نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا تھا کہ یہ دنیا ہم نے پیدا کی ہے۔

﴿اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ﴾ ''جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا ربّ تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اُس نے کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔''

نمرود نے جیل سے سزائے موت کے دو قیدی منگوائے' ان میں سے ایک کی گردن وہیں اڑا دی اور دوسرے کی سزائے موت معاف کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگا کہ دیکھو' میں نے جس کو چاہا زندہ رکھا اور جس کو چاہا مار دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ یہ کٹ حجتی پر اترا ہوا ہے' اسے ایسا جواب دیا جانا چاہیے جو اُس کو چپ کرا دے۔

﴿قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ ''ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے (اگر تو خدائی کا مدعی ہے) تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا''

﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ ''تو مبہوت ہو کر رہ گیا وہ کافر۔''

اب اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ یہ بات سن کر بھونچکا اور ششدر ہو کر رہ گیا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

اللہ نے اسے راہ یاب نہیں کیا' لیکن وہ چپ ہو گیا' اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اس کے بعد اس نے بُت کدے کے پجاریوں کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جھونک دیا جائے۔

آیت ۲۵۹ ﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا﴾ ''یا پھر جیسے کہ وہ شخص (اس کا واقعہ ذرا یاد کرو) جس کا گزر ہوا ایک بستی پر اور وہ اوندھی پڑی ہوئی تھی اپنی چھتوں پر۔''

تفاسیر میں اگرچہ اس واقعے کی مختلف تعبیرات ملتی ہیں' لیکن یہ دراصل حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ ہے جن کا گزر یروشلم شہر پر ہوا تھا جو تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ بابل (عراق) کے بادشاہ بخت نصر (Nebuchadnezzar) نے ۵۸۶ ق م میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور یروشلم کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ اِس وقت بھی عراق اور اسرائیل کی آپس میں بدترین دشمنی ہے۔ یہ دشمنی درحقیقت ڈھائی ہزار سال پرانی ہے۔ بخت نصر کے حملے کے وقت یروشلم بارہ لاکھ کی آبادی کا شہر تھا۔ بخت نصر نے چھ لاکھ نفوس کو قتل کر دیا اور باقی چھ لاکھ کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا ہوا قیدی بنا کر لے گیا۔ یہ لوگ ڈیڑھ سو برس تک اسیری (captivity) میں رہے ہیں اور یروشلم اجڑا رہا ہے۔ وہاں کوئی متنفس زندہ نہیں بچا تھا۔ بخت نصر نے یروشلم کو اس طرح تباہ و برباد کیا تھا کہ کوئی دو اینٹیں سلامت نہیں چھوڑیں۔ اُس نے ہیکل سلیمانی کو بھی مکمل طور پر شہید کر دیا تھا۔ یہودیوں کے مطابق ہیکل کے ایک تہہ خانے میں ''تابوتِ سکینہ'' بھی تھا اور وہاں ان کے ربائی بھی موجود تھے۔ ہیکل مسمار ہونے پر وہیں ان کی موت واقع ہوئی اور تابوتِ سکینہ بھی وہیں دفن ہو گیا۔ تو جس زمانے میں یہ بستی اجڑی ہوئی تھی' حضرت عزیر علیہ السلام کا اُدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی متنفس زندہ نہیں اور کوئی عمارت سلامت نہیں۔

﴿قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ''اُس نے کہا کہ اللہ اس بستی کو' اس کے اس طرح مردہ اور برباد ہو جانے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟''

ان کا یہ سوال اظہارِ حیرت کی نوعیت کا تھا کہ اس طرح اُجڑی ہوئی بستی میں دوبارہ کیسے احیاء ہوسکتا ہے؟ دوبارہ کیسے اس میں لوگ آ کر آباد ہو سکتے ہیں؟ اتنی بڑی تباہی و بربادی کہ کوئی متنفس باقی نہیں' کوئی دو اینٹیں سلامت نہیں!

﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ ''تو اللہ نے اس پر موت وارد کر دی سو برس کے لیے اور پھر اس کو اٹھایا۔''

﴿قَالَ كَمْ لَبِثْتَ﴾ ''پوچھا کتنا عرصہ یہاں رہے ہو؟''

﴿قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ''کہنے لگا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔''

ان کو ایسا محسوس ہوا جیسے تھوڑی دیر کے لیے سویا تھا' شاید ایک دن یا دن کا کچھ حصہ میں یہاں رہا ہوں۔

﴿قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا بلکہ تم پورے سو سال اس حال میں رہے ہو''

﴿فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ ''تو ذرا تم اپنے کھانے اور اپنے مشروب کو (جو سفر میں تمہارے ساتھ تھا) دیکھو ان کے اندر کوئی بساند پیدا نہیں ہوئی۔''

ان میں سے کوئی شے گلی سڑی نہیں' ان کے اندر کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔

﴿وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ﴾ ''اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں)''

حضرت عزیر علیہ السلام کی سواری کا گدھا اس عرصے میں بالکل ختم ہو چکا تھا' اس کی بوسیدہ ہڈیاں ہی باقی رہ گئی تھیں' گوشت گل سڑ چکا تھا۔

﴿وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''اور تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں''

یعنی اے عزیرؑ! ہم نے تو خود تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا ہے' اس لیے ہم تمہیں اپنی یہ نشانی دکھا رہے ہیں تا کہ تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین کامل حاصل ہو۔

﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا﴾ ''اور اب ان ہڈیوں کو دیکھو' کس طرح ہم انہیں اٹھاتے ہیں''

﴿ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا﴾ ''پھر (تمہاری نگاہوں کے سامنے) ان کو گوشت پہناتے ہیں۔''

چنانچہ حضرت عزیرؑ کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے گدھے کی ہڈیاں جمع ہو کر اس کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا اور

پھر اس پر گوشت بھی چڑھ گیا۔

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ﴾ ''پس جب اس کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی''

حضرت عزیر علیہ السلام نے بچشم سر ایک مردہ جسم کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کرلیا۔

﴿قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۵۹﴾ ''وہ پکار اٹھا کہ میں نے پوری طرح جان لیا (اور مجھے یقین کامل حاصل ہوگیا) کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑی ہوئی بستی کو بھی دوبارہ آباد کرسکتا ہے' اس کی آبادی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی نشأۃِ ثانیہ (Renaissance) کے نقیب کی حیثیت حاصل ہے۔ بابل کی اسارت کے دوران یہود اخلاقی زوال کا شکار تھے۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے متذکرہ بالا مشاہدات کرادیے تو آپؑ نے وہاں جا کر یہود کو دین کی تعلیم دی اور ان کے اندر روحِ دین کو بیدار کیا۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہ کیخورس ☆ (Cyrus) نے جب بابل (عراق) پر حملہ کیا تو یہودیوں کو اسارت (captivity) سے نجات دی اور انہیں دوبارہ فلسطین میں جا کر آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ اس طرح یروشلم کی تعمیر نو ہوئی اور یہ بستی ۱۳۶ سال بعد دوبارہ آباد ہوئی۔ پھر یہودیوں نے وہاں ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا جس کو وہ معبد ثانی (Second Temple) کہتے ہیں۔ پھر یہ ہیکل ۷۰ عیسوی میں رومن جنرل ٹائٹس کے ہاتھوں تباہ ہوگیا اور اب تک دوبارہ تعمیر نہیں ہوسکا۔ دو ہزار برس ہونے کو آئے ہیں کہ ان کا کعبہ زمین بوس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر کے یہودیوں کے دلوں میں آگ سی لگی ہوئی ہے اور وہ مسجد اقصیٰ کو مسمار کر کے وہاں ہیکل سلیمانی (معبد ثالث) تعمیر کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اس کے نقشے بھی تیار ہو چکے ہیں۔ بس کسی دن کوئی ایک دھماکہ ہوگا اور خبر آ جائے گی کہ کسی جنونی (fanatic) نے وہاں جا کر بم رکھ دیا تھا' جس کے نتیجے میں مسجد اقصیٰ شہید ہوگئی ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ ایک جنونی یہودی ڈاکٹر نے مسجد الخلیل میں ۷۰ مسلمانوں کو شہید کر کے خود بھی خودکشی کر لی تھی۔ اسی طرح کوئی جنونی یہودی مسجد اقصیٰ میں بم نصب کر کے اس کو گرا دے گا اور پھر یہودی کہیں گے کہ جب مسجد مسمار ہو ہی گئی ہے تو اب ہمیں یہاں ہیکل تعمیر کرنے دیں۔ جیسے ایودھیا میں بابری مسجد کے انہدام کے بعد ہندوؤں کا موقف تھا کہ جب مسجد گر ہی گئی ہے تو اب یہاں پر ہمیں رام مندر بنانے دو! بہرحال یہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ تھا۔ اب اسی طرح کا ایک معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ ہے۔

آیت ۲۶۰ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے بھی کہا تھا پروردگار! ذرا مجھے مشاہدہ کرادے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟''

☆ کیخورس کا ذکر سورۃ الکہف میں ''ذوالقرنین'' کے نام سے آیا ہے۔

﴿قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا تم (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتے ؟''

﴿قَالَ بَلٰی﴾ ''کہا کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں)''

﴿وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ﴾ ''لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔''

یہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کا معاملہ ہے کہ انہیں عین الیقین اور حق الیقین کے درجے کا ایمان عطا کیا جاتا ہے۔ انہیں چونکہ ایمان اور یقین کی ایک ایسی بھٹی (furnace) بنانا ہوتا ہے کہ جس سے ایمان اور یقین دوسروں میں سرایت کرے' تو ان کے ایمان و یقین کے لیے ان کو ایسے مشاہدات کروا دیے جاتے ہیں کہ ایمان ان کے لیے صرف ایمان بالغیب نہیں رہتا بلکہ وہ ایمان بالشہادۃ بھی ہو جاتا ہے۔ سورۃ الانعام میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے نظامِ حکومت کا مشاہدہ کرایا تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں آسمانوں پر لے جایا گیا کہ وہ ہر شے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان مشاہدات سے انبیاء کو ان ایمانی حقائق پر یقین کامل ہو جاتا ہے جن کی وہ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ گویا وہ خود ایمان اور یقین کی ایک بھٹی بن جاتے ہیں۔

﴿قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ﴾ ''فرمایا' اچھا تو چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے ساتھ ہلا لو''

انہیں اپنے ساتھ اس طرح مانوس کر لو کہ وہ تمہاری آواز سن کر تمہارے پاس آ جایا کریں۔

﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ ''پھر اُن کے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو''

﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ﴾ ''پھر اُن کو پکارو تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔''

اس کی تفصیل میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاروں پرندوں کے سر' دھڑ' ٹانگیں اور اُن کے پر علیحدہ علیحدہ کیے۔ پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر' دوسرے پہاڑ پر چاروں کے دھڑ' تیسرے پہاڑ پر چاروں کی ٹانگیں اور چوتھے پہاڑ پر چاروں کے پر رکھ دیے۔ اس طرح انہیں مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیا۔ پھر انہیں پکارا تو اُن کے اجزاء مجتمع ہو کر چاروں پرندے اپنی سابقہ ہیئت میں زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آ گئے۔

﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾﴾ ''اور (اس بات کو یقین کے ساتھ) جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمالِ حکمت والا ہے۔''